

شہرِ وفا

(شعری مجموعہ)



ظلم و جفا کا دور، صلیبوں کا وقت تھا !
شہرِ وفا میں، میں ہی فقط بُت پرست تھا !!

نغمِ راہی

ناشر

سہیل پبلکیشنز ٹانڈور، حیدرآباد آپی

آفس 7/58-2-6 — 501141

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

تاریخ و سنہ اشاعت _____ ۲۵ دسمبر ۱۹۸۶ء

بار اول (تعداد) _____ ۱۰۰۰ (ایک ہزار)

کتابت _____ محمد عبدالغنی (حیدر آباد)

سرورق _____ محمد یوسف آرٹسٹ

بلاکس _____ ونس بلاس ولس (حیدر آباد)

طباعت _____ ماڈرن پریس ٹانڈور حیدر آباد

ٹائپل طباعت _____ ماڈرن پریس ٹانڈور حیدر آباد

ناشر _____ سہیل پبلکیشنز ٹانڈور حیدر آباد

قیمت _____ ۲۰/- (بیس روپے)

سمعوریہ اور ٹیلیٹ کیلئے ۴۰ روپے

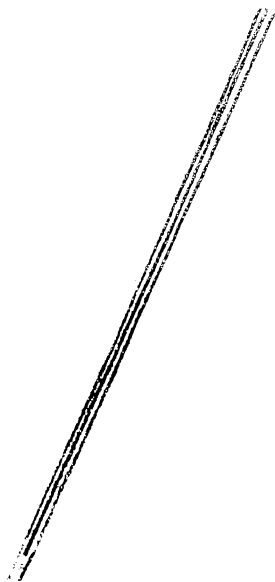
ملنے کے پتے

● نیشنل بک پوچر کمان حیدر آباد ● الیاس ٹریڈرس ٹا علی بندہ حیدر آباد

● محاسمی بک پوچر کمان حیدر آباد ● انجمن خیال لیجے گریٹ کھیراٹی باندرہ ممبئی

● مصنف: ”یروں بسرا“ ٹانڈور حیدر آباد (اے پی)

شکرِ حیاتِ نام



نعیم راہی

ترتیب

حرفِ آغاز

جنابِ محبوبِ حسین جگرِ شریک مدیرِ اعلیٰ
(روزنامہ سیاست، خیابانِ آباد)

مقدمہ

پروفیسر ڈاکٹر یوسف سرمست
(صدر شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی)

تعارف

نعیم راہی میری نظر میں

جنابِ نصیرات ندیم

جنابِ یکم - مانک راؤ

(سابق وزیرِ محکمہ اطلاعات و تعلقاتِ خارجہ حکومتِ پاکستان)

اپنے بارے میں

مصنف

غزلیں © نظمیں

حرف آغاز

جناب نعیم راہی حیدرآباد کے ممتاز شعرا میں سے ہیں۔ دو دہے قبل سے میں انکا کلام پڑھتا اور سناتا رہا ہوں۔ حیدرآباد کے شعرا سے یہ نا انصافی ہے کہ وہ اپنے اعلیٰ معیاری کلام کے باوجود وہ مقام اور شہرت حاصل نہیں کر سکتے جسکے وہ بجا طور پر مستحق ہیں۔ اس کی دو اہم وجوہات ہیں —

حیدرآباد سے کوئی اچھے، علمی اور ادبی رسالے شائع نہیں ہوتے جسکی وجہ سے شعرا کا کلام پڑھنے کا موقع نہیں ملتا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ہمارا شہر اور ریاست کے تمام اہم مقامات پر نمائندہ مشاعروں کا انعقاد نہیں ہوتا۔ جسکی وجہ سے شاعر کو سُننے اور انہیں داد دینے کا موقع نہیں ملتا۔ یہی وجہ ہے کہ نعیم راہی حیدرآباد میں تھے وہ اکثر سُننے اور پڑھنے جلتے تھے۔ مگر جب وہ ملازم کے سلسلہ میں تاندور میں مقیم ہیں انہیں خود کلام سنانے کا موقع نہیں ملتا۔

نعیم راہی صاحب نے ان دو دہوں میں کافی معیاری شعر کہے ہیں انکا فن پختہ ہوا ہے۔ ان کے کلام میں عہد حاضر کی آگہی و شعور ہے، وہ نئے لب و لہجہ و روایات دونوں کو اپنے شعر میں بڑی کامیابی سے برتتے ہیں۔

یقین ہے کہ ان کے مجموعہ کلام کی اشاعت سے قاری اور شاعر میں جو خلا تھا وہ اب ختم ہوگا اور انکا مجموعہ کلام ہمارے شعرا کی شناخت میں مدد دیگا۔

چند شعر پیش خدمت ہیں۔ جن سے ایک پختہ کار شاعر

نعیم باہمی کو پہچانا جاسکتا ہے۔

”ایک درم مسلسل ہو زمانہ ہو جنوں ہو“ : سے چارہ گرو آؤ کر شو کے آؤ“
”جو رات کی تائیک فیلوں سے چلا ہے“ : کیوں دن کے اُجالوں میں کھڑا کانپ رہا ہے؟
”جب تک تیری نگاہ شریک سفر رہی“ : یہ زندگی تھی نہ کہت گل کا سفر مجھے“
”صدیاں ملیں تو لمحوں میں گئی ہو ریلیں“ : مجبور یوں میں قید رہا جیسے اختیار“
”خود اپنے ماضی کی تاریخ ہی کو دہراؤ“ : نئی سحر کیلئے پھانسیوں پہ چڑھ جاؤ“
”کبھی تو غور کرو، خود سے دور ہو گئے“ : کبھی تو سوچو، خود اپنے قریب تو آؤ“
”چہرے ہزار لاکھ تقابلیں ہیں ان دنوں“ : ہے زندگی کہاں، ترے کردار کی کتاب؟
”احباب خوش ہیں دیکھ کے چہرے کی مازگی“ : ہیں کتنے زخم کچھ میرے اندر تو دیکھئے“
”راک آرزو تھی زیست کی راہوں میں کھو گئی“ : راک خواب تھا جو دہن کی وادی میں مگر گیا“
”سائے کی طرف دوڑنے والوں سے یہ پوچھو“ : سائے یہ کہیں زیست کا احساس ہوا ہے؟
”یوں زندگی نے جھکوا کیا کیا نہیں دیا“ : پتھر تھے طنز کے کبھی ہلجہ گرفت تھا“
”آرزوؤں کی یہاں بھڑنگی ہے راہی“ : درِ دل پر کسی دستک کی صدا ٹھہری ہے؟
”تم کیا میری نگاہ سے دل میں اتر گئے“ : سارا وجود ہو گیا تقسیم کو بہ کو“
”دن کل کے یاس کی تاریخوں سے اب لڑا ہے“ : نئی سحر کو نئے آفتاب دینا ہے“
”ترک تعلقات کوئی کھیل تو نہیں“ : خود کو ابھارا آتشِ فرقت میں ڈھال کر“
”جینے کا فن ملا، تو پھر زندگی کو سی“ : راہی برت رہا ہوں سے یوں پال کر“

مح۔ حسہ۔ احد

مقدمہ

نعمتِ راہی کا نام اور کام ادبی دنیا میں غیر معروف نہیں ہے۔ وہ سال ہا سال سے شعر کہہ رہے ہیں۔ انکے اشعار مقبول رسائل اور اخبارات میں چھپتے رہے ہیں۔ حیدرآباد کے ایسے مشاعروں میں وہ اپنا کلام سنا کر داد حاصل کر چکے ہیں جس میں حیدرآباد کے چوٹی کے شاعر شریک ہوا کرتے تھے۔ انہیں مخدوم اور شاد کے ساتھ کلام پڑھنے کا اعزاز حاصل ہے (وہ آج بھی بجا طور پر اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ انہوں نے مخدوم کے ساتھ اپنا کلام پڑھا ہے) جاتی ان کے محبوب ہی نہیں بلکہ مثانی شاعر رہے ہیں۔ وہ جاتی سے بے حد متاثر ہیں اور انہیں اپنے کلام میں نذرانہ عقیدت تحسین پیش کرتے ہیں۔

نعمتِ راہی سے میں زمانہ طالب علمی سے واقف ہوں۔ وہ ابتداری سے علمی اور ادبی مذاق رکھتے ہیں۔ پیشہ تدریس سے وابستہ ہیں۔ اور گورنمنٹ جونیئر کالج ٹانڈور پر کام کر رہے ہیں۔ وہ چند مہینے پہلے شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ آئے تھے۔ اسی وقت انہوں نے کہا تھا کہ انکا مجموعہ کلام زیور طباعت سے آراستہ ہونے والا ہے مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی تھی کہ وہ بہت جلد صاحب کتاب بننے والے ہیں۔ ویسے انہیں بہت پہلے صاحب کتاب ہونا چاہئے تھا۔ خیر دیر آید درست آید کچھ روز قبل وہ اپنا مجموعہ کلام ”شہر وفا“ لے آئے۔ اور مجھ سے خواہش کی کہ اس پر کچھ لکھوں۔ اور ”شہر وفا“ کا مسودہ چھوڑ گئے۔

نعیم راہی کی جس بات سے میں متاثر ہوا وہ ان کی دھن کا پچا پن تھا۔ نعیم راہی ایک فطری شاعر کے علاوہ ایک سلجھے ہوئے انسان ہیں، خاموش طبع ہیں۔ انہیں اپنی شاعری سے گہرا لگاؤ ہے۔ یہاں ان باتوں کے ذکر سے مقصود یہ ہے کہ آپ شاعری سے تو واقف ہوں گے ہی خود شاعر کی ذات سے بھی کسی قدر واقف ہو جائیں۔ کیونکہ شاعر کی ذات اس کے کلام میں کھلی جھلکتی ہے اور کبھی اس میں ذات کی نفی بھی ہوتی ہے۔ آپ کلام پڑھنے کے بعد ہی تفسیر کیجئے کہ ان دونوں باتوں میں سے کونسی بات نعیم پر صادق آتی ہے۔

حالی نے اچھے شعر کے بار میں یہ بات کہی تھی کہ اس میں سادگی واقعیت اور جوش ہوتا ہے۔ اور شاعر کے لئے ضروری شرطیں، تخیل، مطالعہ کا نثر اور تفحص قرار دی ہیں۔ تخیل شاعری کی جان ہے، اسی سے شاعر کی قوت ایجاد ظاہر ہوتی ہے۔ شاعر کو جو باتیں معلوم ہیں اور جو ایک دوسرے سے تعلق نہیں رکھتیں ان کو اس طرح ترکیب تیل ہے کہ وہ ایک طرف تو ایک دوسرے سے مربوط ہو جاتی ہیں۔ دوسری طرف ایک ایسی نئی بات پیدا ہوتی ہے جو اس سے پہلے موجود نہیں تھی۔ جیسا کہ غالب کا ایک شعر ہے :

اور بازار سے لے آتے اگر ٹوٹ گیا

جام جم سے یہ میرا جام سفال اچھا ہے

جام جم بیکانہ اور بیکتا ہے۔ اس کے مقابلے میں جام سفال بے حد معمولی چیز ہے۔ شاعر کا تخیل ان معلومہ اشیاء کو اس طرح سے ترکیب دیتا ہے کہ جام جم سے جام سفال

بہتر بن جاتا ہے۔ اس طرح تخیل ایک ایسی اختراعی قوت بن جاتی ہے۔
 جو نئی نئی باتوں کی تخلیق کرتی ہے۔ حالی نے تخیل کے بعد مطالعہ کائنات کی
 کی اہمیت کو ظاہر کیا ہے۔ اس کے حالی کا مقصد یہ ہے کہ کائنات میں بے شمار اشیا ہیں
 جو شاعری کا موضوع بن سکتی ہیں۔ شاعر اگر ان پر غور کرے اور دیکھے تو اسکی
 شاعری میں وسعت پیدا ہو سکتی ہے۔ نئے موضوعات ہاتھ آسکتے ہیں —
 ”تفحص الفاظ“ کی بھی شاعری میں بے حد اہمیت ہے۔ اسی لئے حالی شاعری میں
 ”آمد“ ہی کو نہیں ”آورد“ کو بھی اہمیت دیتے ہیں۔ کیونکہ جب کوئی خیال
 احساس یا جذبہ شعر کا پیکر اختیار کرتا ہے تو وہ کسی نہ کسی حد تک خام صورت میں
 ہوتا ہے۔ اس خیال، جذبے، یا احساس کی ترسیل کیلئے خاص الفاظ کی تلاش
 و جستجو ضروری ہوتی ہے۔ کیونکہ ایک بات کو صرف ایک ہی لفظ ادا کر سکتا ہے۔
 کوئی دوسرا نہیں۔ جب تک کہ یہ لفظ نہ ملے خیال کی مکمل اور بھرپور ترسیل ممکن نہیں
 ہوتی۔ اسی لئے حالی الفاظ کی تلاش و جستجو کو ضروری سمجھتے ہیں
 راہی کی شاعری کے سلسلے میں ان باتوں کا میں نے ذکر کیا ہے کہ
 شاعری میں یہ پختہ کاری رفتہ رفتہ پیدا ہوتی ہے۔ اور شاعر کا درجہ ان باتوں سے
 بلند ہوا ہے۔ ان کی شاعری میں جو بات اب بید و واضح ہے وہ اس کی سادگی اور
 سلاست ہے حقیقت کی عکاسی اور تخیلات کا بانگین ہے۔ وہ بہت ہی سادہ
 انداز میں اپنی بات کہتے ہیں۔ ان کے خیال میں پیچیدگی ہوتی ہے نہ انداز بیان میں۔
 اس لئے اُن کی شاعری راست طور پر متاثر کر سکتی ہے۔ وہ راست انداز میں

اپنے دل کی بات کہتے ہیں۔ گویا ان کا اسلوب شعر نہایت متاثر کن ہے۔ ان کی شاعری کی یہ خوبی ان کے کلام کو قابل قبول بناتی ہے۔ کسی بھی شاعر کے کلام کا مقبولیت حاصل کر لینا بھی بڑی بات ہے۔ راہی نے رب لہجہ اور حقیقت نگاری کے شاعر ہیں۔ انہیں غزل کا شاعر کہا جاتا تو مبالغہ نہیں۔ ویسے وہ نظمیں بھی لکھتے ہیں۔ ان کی نظم ”تخلیق“ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاعر روایات کی فضیلوں سے باہر آنا چاہتا ہے۔ اردو ادب میں نئے راستے، نئے رب لہجہ کی تخلیق کرنا چاہتا ہے۔ دوسری نظموں میں ”بازگشت“ ”یادیں“ اور ”کامرانی“ قابل ذکر ہیں۔

راہی کی مقبولیت کے وصف کا اندازہ ان کے کلام کو پڑھ کر لگایا جاسکتا ہے۔ میں آپ کے اور شاعر کے درمیان زیادہ دیر تک حائل نہیں رہنا چاہتا۔ اسلئے ان کے کلام کے چند منتخب اشعار کو پیش کرتا ہوں تاکہ آپ کو ان کے رنگ شاعری کا کسی قدر اندازہ ہو سکے۔ سادگی کیسا آج کی تلخ واقعیت ان کی شاعری کا امتیازی وصف ہے۔



”یہ تشنگی بھی عجیب ہے کہ کچھ نہیں پاتی ؛ نظر نظر میں کئی بار دوڑ چلتا ہے“

حیاتِ نو کی مٹا ہونے کا غم، مگر یہ کیا ؛ ہمارا ذکر بھی ذہنوں میں آج کھلتا ہے۔

جو پڑھ سکو تو بہت ہیں دلوں کی تحریں ؛ مجھے یقین ہے کہ ہر چہرہ اک کتاب ہوگا

کے خبر تھی کہ راسی حیات کا جادہ ؛ حقیقتوں کے بُرا دیکھیں کوئی خواب ہوگا

درحقیقت زندگی کی حقیقت اُسے ملی ؛ دیوانگی کے نام پر جو درد بہہ رہا گیا

لاش اپنی اُٹھائے پھرتا ہوں ؛ یہ بھی جینے کی ایک صورت ہے

زخم ہے، درد ہے، جراحت ہے ؛ زندگی پھر بھی اک حقیقت ہے

عشرت ہو، غم ہو، درد ہو یا اضطراب ہو ؛ جھکے تو زندگی کے ہر عنوان سے پیار ہے

اب تو میری حیات کے عنوان میں ہی ؛ گیتوں کا باکپن، کہیں زخموں کی چاندنی

جموں کی آج سے روشن ہے یہ جہاں ؛ کچھ فاصلے میں انکو گھٹا دینا چاہئے

پروفیسر ڈاکٹر یوسف مرست
صدر شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی

۲۲ دسمبر ۱۹۶۷ء

تعارف

اب سے دو دہے قبل میرے ہاں ایک نوجوان آیا۔ اور بڑے ہی
 اخلاص و محبت کیساتھ ملا۔ میں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ موصوف کا نام
 محمد عبدالنعیم ہے۔ اور قلمی نام نعیم راہی ہے۔ قلمی نام کے ساتھ ہی میں سمجھ گیا کہ
 یہ میری ہماری لعنت میں مبتلا ہے۔ قارئین مجھے معاف کریں مجھے ایک عظیم فن
 کی محنت لکھتے ہوئے دکھ ہوتا ہے۔ اور اب تو واقعی میرے لئے تو لعنت ہے۔
 نعیم راہی سے میں نے دریافت کیا، کیا کرتے ہو تو انہوں نے بتایا
 چچ۔ یو۔ سی کا طالب علم ہوں، سائنس اور ریاضی میرے مضمون ہے۔ اور میں
 یہاں ایک ہاسٹل میں رہتا ہوں۔ شعر کہنے کی طرف طبیعت مائل ہے۔
 اب تک میں نے علامہ نجم افندی اور حضرت آج یعقوبی کو اپنے شعر دکھائے
 ہیں۔ میں نے کہا یہ تو بہت اچھے ہیں۔ مگر میرے یہاں آپ کس سلسلہ میں
 لکھتے ہیں۔ اس نے کہا کہ مجھے آپ کے شعر کہنے کا انداز بہت پسند ہے اور
 میں چاہتا ہوں کہ آپ سے فن عروض سیکھوں۔ اور آپ کے اصلاح لوں۔
 دوسری بڑی وجہ آپ کے ہاں آنکی یہ ہے کہ میں کلیم وطن ہوں۔

اس کے بعد نعیم راہی سے ہماری استاد اور شاگردی کا سلسلہ
 چلتا رہا۔ اور آج تک یہ سلسلہ باقی ہے۔ نعیم راہی کے اندر کا شاعر اپنے شعری سفر

پر بڑی عمدگی سے گامزن ہے۔ سفر کی ایک منزل تو آہی گئی ہے۔ جو
 ”شہر وفا“ کی صورت میں قارئین کے سامنے ہے۔ نعیم راہی کی مشق سخن
 نے فکر اور اظہار میں چھٹی گرفت حاصل کر لی ہے۔ یہ تو پہلی منزل ہے۔ نعیم راہی
 کے سامنے فکر کی ایک بڑی شاہراہ ہے۔ اور ان کا یہ شعری سفر نہ جانے اسی
 کتنی منزلیں بناتے ہوئے گزرے۔ دو پہلے پہلے کا نعیم راہی جو ایک کالج
 کا طالب علم تھا۔ آج وہ جو نیر کالج پر ایک اچھا اور مقبول استاد بھی ہے۔
 اپنی جگہ یہ صرف شاعری نہیں، ادب زبان اور شعر کی خدمت بھی اپنا فرض
 سمجھتا ہے۔ اس نے تانڈور جیسے مقام پر جہاں پہلے ہی سے ادبی شمع روشن
 تھی۔ وہاں اس نے مشعل جلادی ہے۔ کئی بڑے بڑے مشاعرے کئے۔ ادبی
 انجمنیں چلاتیں۔ اور اب بھی وہ ”انجمن کل ہند ایوان ادب تانڈور آندھرا پردیش“
 کا صدر ہے۔ قارئین پڑھ کر خود فیصلہ کر لیں کہ نعیم راہی میں شعر کہنے کا
 کتنا سلیقہ ہے۔ اگر میں ان کی شاعری کا جائزہ لوں تو پڑھنے والے یہ نہ
 سمجھ لیں کہ خود تعارف لکھنے والے کی تعریف کا پہلو نکل آیا۔ اب میں یہ
 فیصلہ قارئین پر چھوڑتا ہوں کہ وہ ”شہر وفا“ کا کھلے دل سے استقبال
 کریں۔ اور جہاں تک ممکن ہو سکے شاعر کی پذیرائی کریں۔

نعیم راہی — میری لطیفیں

رگ جانا تو موت ہے راہی ؛ زینت سلسل ایک سفر ہے
بقول نعیم راہی کے وہ خود بھی زندگی کے کسی موڑ پر ٹھہراؤ و محمود
کو پسند نہیں کرتے حمد و تحمیر او دنیا کی کوئی بھی زبان قبول نہیں کرتی
شاید یہی وجہ ہے کہ نعیم راہی کے کلام میں جدوجہد کاوشیں اور زندگی کا پیغام
وجہیے کی تمنائیں جگہ جگہ ملیں گی۔

ویسے بھی نعیم راہی میرے ایک ہم وطن اور جوان سال شاعر ہیں۔
جس کو گزشتہ ربع صدی سے جانتا ہوں۔ وہ سلسل محنت و جدوجہد کرنے کے
عادی ہیں۔ نہ صرف شعری میدان میں انھوں نے نمایاں مقام بنایا ہے بلکہ خود اپنی
زندگی میں زمانہ طالب علمی سے ہی سماجی، علمی، ادبی کاموں میں حصہ لینا اور ترقی
کی راہیں ہموار کرنا اور اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرنا ان کا نصب العین رہا ہے
اور سلسل وہ کامیابیوں کی جانب بڑھتے ہی چلے جا رہے ہیں۔ نعیم راہی ایک
ممتاز شاعر کے علاوہ مخلص ساتھی اور ہمدرد انسان بھی ہیں۔

میں یہ بات یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ نعیم راہی غزل کے بہترین شعرا میں سے ایک ہیں
جس کا کلام ملک کے بیشتر رسالوں اخبارات میں شائع ہوتا رہتا ہے۔ اب جبکہ ان کی کتاب ”شہر وفا“
زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آ رہی ہے تو میں انہیں لی مبارکباد دیتا ہوں

نیک تمنائوں کے ساتھ (خجانب) ایم۔ مانگ لاؤ (سابق وزیر اطلاعات و تعلقات عامہ)
حکومت آذربائیجان

”اپنے بالے میں“

”شہرِ وفا“ میرا پہلا شعری مجموعہ ہے۔ جس میں میری شعری تخلیقات (غزلیں اور نظمیں) ہیں۔ میں کوئی راجِ صدی سے شعر کہہ رہا ہوں۔ ۱۹ جولائی ۱۹۴۸ء کو تاندور ضلع حیدرآباد (رنگاریڈی) کے ایک متوسط گھرانے میں پیدا ہوا۔ اور حصولِ اعلیٰ تعلیم کے بعد محکمہ تعلیمات سے وابستہ ہو گیا۔ آجکل گورنمنٹ جونیئر کالج تاندور پر ریاضی اور طبعیات کا استاد ہوں۔

مجھے زمانہ طالب علمی سے ہی شعر سے اور خاص کر صنفِ شاعری میں غزل سے بے حد لگاؤ رہا ہے۔ گویا بچپن ہی سے میرے کان شعری فضا سے آشنا رہے ہیں۔ جب مجھے یہ محسوس ہوا کہ میں جو کچھ بھی لکھ رہا ہوں۔ وہ شعر کی تعریف میں آجاتے ہیں۔ تو میں نے ملک الشعراء حضرت اوج یعقوبی حضرت خیرات ندیم اور حضرت خورشید احمد جامی سے فیضِ سخن حاصل کیا۔ اور مسلسل شعر کہنا شروع کر دیا۔ رفتہ رفتہ میرا کلام ہندوستان کے تقریباً سبھی رسائل اور جرائد و اخبارات میں شائع ہوتا رہا ہے۔ اور آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد کے نیزنگ پروگرام میں اکثر و بیشتر میرا کلام نشر ہوا ہے اور ہوتا آ رہا ہے۔ یہ بات میں یورے یقین کیسا تھا کہ سکتا ہوں کہ حیدرآباد

علم و ادب کا گہوارہ ہے۔ بلکہ اسے ”شہرِ غزل“ کہا جاتا تو بہت بہتر رہیگا۔ خوش نصیبی سے اسی غزل کے شہر میں مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ میں ہندوستان بلکہ ہندو پاک کی نامور شخصیتوں کے ساتھ مشاعرے و محفلیں پڑھ چکا ہوں۔ ان کے ساتھ بیٹھنا، اٹھنا معمول رہا ہے۔ ان نامور شعراء، ادباء اور صحافیوں میں قابلِ ذکر جناب مخدوم محی الدین، جناب خورشید احمد جامی، علامہ حاذق طیفوری، سلیمان اریب، ملک الشعراء آوج یعقوبی، طالب رزاقی، حضرت خیرات ندیم، شاذ ملکنت، علی احمد جلیلی، راج بہادر گوڑ، ڈاکٹر سی نارائن ریڈی، امیر احمد خسرو، ابن احمد تاب، پروفیسر حکیم یوسف حسین خان، پدم شری عابد علی خان، محمود انصاری، عاتق شاہ، سلیمان خطیب، علامہ حیرت بدایونی، علامہ نجم آفندی، غیاث صدیقی، اختر حسن، محبوب بن جگر سعید شہیدی وغیرہ ہیں۔ میرے ہم عصر شعراء و ادباء میں جناب رؤف خلیش، رؤف خیر، علی الدین نوید، حسن فرخ، غیاث متین، صلاح الدین نیر، رئیس اختر، فیض الحسن خیال، فکری بدایونی، صدیق کوثر قطب سرشار اور مسیح انجم ہیں۔

میری تخلیقات قارئین کی خدمت میں پیش ہیں جس سے وہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ میں شاعری میں جدت پسندی اور ترقی پسند رجحانات سے کس حد تک متاثر ہوں۔ نئے ٹکشن و اسلوب کو اس طرح اپنایا ہے۔ اور کس انداز میں زندگی کے حقائق کو شعر کے سانچوں میں ڈھالا ہے۔ میرے شعر

برے ذہن کی عکاسی کرتے ہیں۔ جو زندگی کے دائروں پر مشتمل ہوتا ہے۔
 بھائی شاعری کے بارے میں کچھ کہنا نہیں ہے۔ یہ فیصلہ تو باذوق قارئین
 کر سکتے ہیں کہ میں نے انسان کے درد، احساس، جذبات و خیالات کو
 بس انداز سے شعری پیکر میں ڈھالا ہے۔

اب بھی میں جو کچھ لکھتا ہوں وہ میرا اپنا مشاہدہ و تجربہ ہے
 دل و حالات کی دین ہے۔ کائنات کا درد ہے، ازل سے انسان کی
 لمتی ہوئی حیات جاوداں ہے، غم عاشقی، رنج و الم سے پیارا ہے۔
 نہیں میرا شعری سفر اپنے دامن میں لے لیتا ہے۔

آج سے چار سال قبل ۱۹۸۲ء میں اردو اکیڈمی حکومت
 اندھرا پردیش نے ”صدر رنگ“ کے نام سے ایک شعری مجموعہ شائع
 کیا ہے۔ جس میں میرا تعارف اور کلام موجود ہے۔ جو میرے ایک آغاز ہے۔
 جہاں تک مشاعرے پڑھنے کا تعلق ہے اندھرا پردیش کے علاوہ
 رٹاٹک اور مہاراشٹر میں مشاعرے کئی ایک بار پڑھ چکا ہوں۔

آج کل کئی علمی و ادبی انجمنوں سے وابستہ ہوں۔ جس میں
 نابل ذکر گل بند ایوان ادب تانڈور اندھرا پردیش کے صدر کی حیثیت
 سے مقدور بھر کوشش کرتا ہوں کہ اردو کے کار کو آگے بڑھاسکوں۔
 آخر میں میں اُن تمام حضرات کا شکریہ ادا کرنے سے پہلے
 کتابیم۔ مانک راو سابق وزیر ریاست اندھرا پردیش کا بید منون و مشکو

ہوں کہ وہ بچپن سے اب تک ہر جگہ میری رہبری کرتے رہے۔ وہ میرے لئے
ایک محسن و مخلص انسان ہیں۔

”شہر وفا“ کو منظرِ عام پر لانے کیلئے جن اصحاب نے میرا ساتھ دیا
ان میں قابل ذکر پدم شری جتا عابد علی خان، جناب ایم۔ مانگ راؤ، پروفیسر
پروفیسر ڈاکٹر یوسف سرمست، جناب محبوب حسین جگر، جناب خیرات ندیم
جناب محمد عبد المجید (مالک ماڈرن پریس) جتا محمد یوسف آرٹسٹ، عبدالغنی خوشنویس
جناب محمد ہدایت علی و جتا محمد یوسف علی صاحب (مالک انکی پریس) سید کلیم اللہ قادری عرف سلیم
ہیں جن کا میں ممنون ہوں۔

نعیم راہی

گورنمنٹ جونیئر کالج تانڈور ضلع زنگاریڈی

۱۔ پی۔ (الہند)

غزلیں

نعیم راہی

کجی بات ہے کہ جہدِ مسلسل کے باوجود
ملتے رہے حیات کو زخموں کے پیرن !!

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نور کا پیکر

جب بھی پڑھتا ہوں درود ایک ندا آتی ہے
 جیسے سالنوں سے محمدؐ کی صدا آتی ہے
 بس اُجالے ہی اُجالے نظر آئیں گے ادھر
 جب بھی جس سمت مدینے کی ہوا آتی ہے
 پتے پتے پہ کھلا دیتی ہے اک تازہ حیات
 سبز گنبد سے لپٹ کر جو صبا آتی ہے
 تجھ سے غافل جو ہوئے، ہو گئے سب سے غافل
 یادِ محبوب سے ہی یادِ خدا آتی ہے
 مجھ کو پہنچا دے کبھی سہر و کونین کے پاس
 بار بار آتی ہے، لب پر یہ دُعا آتی ہے
 وحدتِ نور کا پیکر و بہاروں کا امین
 جس کے قدموں سے دو عالم میں ضیا آتی ہے
 آپؐ کا نام ہے بخشش کا وسیلہ راہی
 آپؐ کے ذکر سے رحمت کی گھٹا آتی ہے



مُرباعی

بربادی کے آفسانے سناتی ہے شراب
ہر چہرے کو مکروہ بناتی ہے شراب
ہر شخص کو اللہ بچائے اس سے
یوں دامن ہستی کو جلاتی ہے شراب



قطع

وجود کچھ نہیں رہتا ہے ابن آدم کا
شراب نام ہے بربادیوں کے عالم کا
ہر ایک عہد کی تہذیب اس سے نالاں ہے
کہ ایک شور ہے پوشیدہ اسمیں ماتم کا





قطعہ

بیکسی کی مثال پوچھوں گا
 زندگی سے سوال پوچھوں گا
 جو بھی نازاں ہیں جسم پر اپنے
 اُن سے مٹی کا حال پوچھوں گا



اب جواب سوال پوچھوں گا
 ایک ایسی مثال پوچھوں گا
 جو بھی نازاں ہیں حسن پر اپنے
 اُن سے یوسف کا حال پوچھوں گا





اتنا تو دوستوں کو بتا دینا چاہئے
حرفِ وفا لغت سے مٹا دینا چاہئے

خود زندگی ہی ایک سنا ہے اس عہد میں
پھر زندگی کو کیسی سنا دینا چاہئے!!

طوفان میں اور شعلہ احساس ہو بلند
خود داریوں کی اسکو ہوا دینا چاہئے

وہ بھی ادھر خموش، اُمیدیں ادھر اداس
دیوار درمیاں کی رگڑا دینا چاہئے

جسموں کی آنچ ہی سے تو روشن ہے یہ جہاں
کچھ فاصلے ہیں ان کو گھٹا دینا چاہئے

مہر و وفا، خلوص تو زندہ اسی سے ہیں
 زخموں کی زندگی کو دُعا دینا چاہئے!

زندہ حقیقتوں سے بڑھاؤ تعلقات
 و تمہوں کے سب جہاز بچھا دینا چاہئے

اب قہقہوں میں بند ہے ہر غم کی آبرو
 حالات کا مذاق اڑا دینا چاہئے

راہی بہ فیضِ درد یہ دولتِ ملی مجھے
 آدابِ عشقِ سب کو سکھا دینا چاہئے



جلوے کہیں اُن کے جو سہاروں کی طرح تھے
اشعائیرے شوخ اشاروں کی طرح تھے

اُن چہروں کو حالات نے کیا کر دیا آخر
ہنستے ہوئے چہرے جو بہاروں کی طرح تھے

ہم نے کئی سُرُج انہیں ہر گام پہ بخشے
جورات کے گمبھیر نظاروں کی طرح تھے

ہم پھول تھے خوشبو سے ہزاروں کو نکھارے
دُنیا کی نگاہوں میں تو خاروں کی طرح تھے

حالات کا ہرزخم نمائش تھا، عیاں تھا
ہم شہر میں تقدیر کے ماروں کی طرح تھے

سوچو تو یہاں کتنی نگاہوں کا تھکے مرکز
ہم دہر میں سینوں کے اُتھاروں کی طرح تھے

اِس عہد کے زخموں کا نہیں کوئی مداوا
ہم بھی کبھی جذبات کے دھاروں کی طرح تھے

ہر ڈوبتے تنکے کا سہارا ہی رہے ہیں
اُنغوش ہمارے تو کھناروں کی طرح تھے

کھڑے بھی کہیں قید کی دیوار بنے ہیں!
اِس جسم کے فتنے تو شراروں کی طرح تھے!

ہلکوں پہ ترپتے رہے، دامن پہ نہ آئے
راہی میرے آنسو تو ستاروں کی طرح تھے





صحرائے زندگی میں بہت دیر سے کھڑا
 ماتھے پہ زندگی کے تجھے دیکھتا رہا

تکبیلِ آرزو کا تو لمحہ نہ مل سکا
 صدیوں سے ساتھ ہے یہ خیالوں کا سلسلہ

لٹتے رہے حیات کے یہ شہرِ آرزو
 دیرانیوں نے بڑھ کے گلے سے لگا لیا

باپوسیوں نے روک دیئے بڑھ کے راستے
 منزل تو سامنے تھی مگر دیکھتا رہا

مہر و وفا، خلوص و محبت، میری بساط
اب اسکے بعد تو ہی بتا دے سکوں گا کیا؟

بخشتے تھے وقت نے جو مجھے زخم آرزو
ہر زخم سے خود اپنا پتہ پوچھتا رہا

راہی حیات سے مجھے تنہائیاں ملیں
طے ہو سکا نہ آج بھی فرقت کا فاصلہ



”ایک شعر“

جس کو توفیق انتظار نہیں
س کی ہمت کا اعتبار نہیں



کیا بات ہے اک لمحہ شاداں نہیں ملتا
دُنیا میں میرے درد کا درماں نہیں ملتا

جیتے ہیں سبھی اپنے فسانوں کے سہارے
کیا میرے فسانے ہی کو عنوان نہیں ملتا!

منزل بھی عجب، جادۂ منزل بھی عجب ہے
ویرانے تو ملتے ہیں گلستاں نہیں ملتا

آلام و مصائب نے نکھاری مری ہستی
کس نے کہا ہر دلخ درخشاں نہیں ملتا؟

کچھ رنج ملے، دردِ ملے شہرِ وفا میں
جینے کے لئے کیا مجھے سا ماں نہیں ملتا؟

کب کے ہی بدل جاتا میری زیست کا عنوان
نظروں کو میری جلوۂ جاناں نہیں ملتا

دیوانہ بنا پھرتا ہوں یہ اس کا کرم ہے
یہ کس کو بتاؤں، کوئی انساں نہیں ملتا

راہی مجھے افسوس ہے اس عمرِ رواں میں
غم یوں تو کئی ہیں، غمِ جاناں نہیں ملتا



کِس کی توجہ کا یہ اثر ہے
کِتنا گہرا، زخمِ جگر ہے

میرا اپنا عزمِ سفر ہے
میری اپنی راہِ گذر ہے

کِس کو سنائیں، کِس کو بتائیں
کون کہاں ہے، کِس کو خبر ہے!

روشن عارض، بکھری زلفیں
شامِ غزل ہے، حُسنِ سحر ہے

جانِ چمن ہے میرا نشیمن
 برق کو لیکن اس کی خبر ہے!

دل پر جب سے نقش ہے تیرا
 سب کی میرے دل پہ نظر ہے

رُک جانا تو موت ہے راہی
 زینتِ مسلسل ایک سفر ہے



حُسن اور عشق ہیں دونوں گھائل
کس کو کہیں ہم کون ہے قاتل

نظریں سب کچھ کہہ دیتی ہیں
کون ہے بسمل، کون ہے قاتل!

راہِ وفا میں لاکھ ہیں رہن
ڈھونڈیں کیونکر پیار کی منزل

عشق کا قصہ پنہاں پنہاں
حُسن کا چرچہ محفل محفل

حُسن ہو رُسوا عِشق کے بدلے
ہم تو نہیں ہیں اس کے قائل

چینج رہے ہیں رہبر بھی اب
دھندلی راہیں، دور ہے منزل

یادوں کی محفل میں یارو
رقص میں ہے پھر ماہِ کامل

کیا کہیے رہبر کے کرم کو
ہم بھی بھٹکے نزدِ منزل



ہم ہی نہیں ہیں عشق کے مارے
چچ نہ ہی ہے دُنیا دِل دِل

ڈوبنا میرا ڈرتے، ڈرتے
شوق سے دیکھیں اہل ساحل

طوفانوں کی زد میں راہی
ہم نے دیکھا دور سے ساحل



”ایک شعر“

ہمسفر آپ اگر راہِ وفا میں ہوتے
کشتیِ زلیبت کا میری بھی کنارہ ہوتا



نذرِ خورشید احمد جامی

اے آبروئے شعر و ادب، جامی دکن
قام ہے تجھ سے حسنِ غزل اور بانکپن

جیسے نفسِ نفس سے ہوں شعلہ فشاںیاں
جلتے ہوئے خیال ہیں، جلتے ہوئے بدن

ہیں کتنے دلفریبِ خیالوں کے سلسلے
جیسے کہ دشتِ یاس میں اُمید کی کرن

پھرے پہ زندگی کے روایت کی گرد ہے
انہری ہے پھر سے وقت کے ماتھے پہ اک شکن

بے نام آرزوؤں کے بے نام قافلے
جلنے کہاں پہ سو گئے اوڑھے ہوئے کفن

کیا بات ہے کہ جد مسلسل کے باوجود!
 ملتے رہے حیات کو زخموں کے پیر میں!!

مغموم کائنات ہے مسموم سے فضا
 ماحول جیسے خود ہی ہو ماحول کی گھٹن

مے آرزو یہی کہ ٹھہر جائے زندگی
 ہو کائنات رقص میں اور تھوڑا اٹھے گلن

ہیں دھندلی دھندلی راہیں محبت کی آج بھی
 ہم ہیں کہاں پہ راہی کہاں ان کی انجمن

ططططط



جو درد دے ، رنج ملے پیار میں لوگو
وہ تم کو نظر آئیں گے اشعار میں لوگو

سراشک زبان بن گیا اظہار میں لوگو
ڈھونڈو مجھے اب وقت کے معیار میں لوگو

جینے کا سلیقہ کوئی پوچھے کبھی ہم سے
کیا لطف ہے ، کیا کیف ہے آزار میں لوگو

اک وہ ہیں کہ دنیا کی خبر ہی نہیں بنو
اک ہم ہیں کہ گم ہیں رسن دار میں لوگو

ہر دل کے دھڑکنے میں جو پوشیدہ ہے رازی
وہ درد ہی ڈھونڈو میرے اشعار میں لوگو



سانولی سی اک شام کھڑی تھی
 یاتیری زلفوں کی لڑی تھی!
 ہجر کی رات تھی کالی کالی
 ہجر کی رات تھی کالی کالی
 فرقت کی بھی دھوپ کھڑی تھی!

ایک کسک تھی، ایک تمنا
 میری دنیا کتنی بڑی تھی!!

ملکوں پر چمکے تھے ستارے
 اشک تھے یا موت کی لڑی تھی

درد کا موسم کتنا مہانا
 اور اس پر زخموں کی جھڑی تھی!

ارمانوں کا خون ہوا تھا
 یاسپنوں کی لاش پڑی تھی!!

پیار کی آگ کے شعلے بھڑکے
 کس سے اپنی آنکھ لڑی تھی

ذکر کسی کا جب بھی آیا
 افسانے میں جان پڑی تھی

زیست کا عالم دیکھ کے راہی
 محو حیرت زیست کھڑی تھی





محفلِ دردِ سجاؤ تو کوئی بات بھی ہے!
فکر کی شمع جلاؤ تو کوئی بات بھی ہے!!

خونِ دل اور سہی، خونِ جگر اور سہی
عظمتِ فنِ بگھاؤ تو کوئی بات بھی ہے!

سوزِ ہستی سے کبھی، سوزِ تخیل سے کبھی
آنچِ نغموں کی بڑھاؤ تو کوئی بات بھی ہے!

سن کے ہر شخص پکار اُٹھے کہ یہ میرا ہے
ایسا افسانہ سناؤ تو کوئی بات بھی ہے!

ظلمتِ شب کی فسیلوں سے بہ عزم و ہمت
ایک سورج ہی اگاؤ تو کوئی بات بھی ہے !

غم کی راہوں میں بہاروں کی طرح ہنس ہنس کر
دل کا ہرزخم سجاؤ تو کوئی بات بھی ہے !

کب سے سناٹا ہے راہی مری ان راہوں میں
کوئی طوفان اٹھاؤ تو کوئی بات بھی ہے

ایک شعر

بجلی چمک گئی کہ مرادِ دل ٹھہر گیا
شاید میرے قریب سے کوئی گذر گیا



دُنیا کی ہر خوشی ہے
غم ہے، تو زندگی ہے

سب کچھ تو ساتھ میں ہے
اُن کی مسکرمی ہے

پھولوں کی زندگی بھی ا
کیا خوب زندگی ہے!!

لگتا ہے میرے آنگن
برسوں سے وہ کھڑی ہے

اپنے کو بھول جانا
احساس کتری ہے!

لے دیکھے پاس میرے
یادوں کی اک پری ہے!

زخموں کی آج بھی تو!
کھیتی ہری بھری ہے!!

ساغر بہ کف میں بادل
لیکن تیسری گئی ہے

میٹ جانا حوصلوں کا
راہی یہ خود کشی ہے!



بہ نال درد ہی ہے کہ پیام تک تو پہنچے
غم عاشقی کے صدقے غم عام تک تو پہنچے

بہ ادائے سرفروشی، بہ ادائے کیف و مستی
میرے ہاتھ آج ساقی ترے جام تک تو پہنچے

بہ حجابِ نو عروساں عجب احتیاط برتی
میر اندکڑہ تو چھپا، سرے نام تک تو پہنچے

ترے جسم کی وہ خوشبو جو دلوں میں بس گئی ہے
کبھی زلف کے سہارے مری شام تک تو پہنچے

سے نگاہ منتظر میں وہی ایک تیرا جلوہ
کبھی بام تک تو آئے کبھی بام تک تو پہنچے



بھولے افسانے مجھے یاد دلاتا کیوں ہے
مرے ماضی کو صلیبوں پہ چڑھاتا کیوں ہے

میرے احساس کے آنکھوں میں وہ آتا کیوں ہے
میری خوابیدہ اُمنگوں کو جگاتا کیوں ہے

تیرے سینے سے سر کٹا ہوا رنگین آنچل
میرے جذبات میں کھرام مچاتا کیوں ہے

لذتِ درد نے بخشا ہے شرابوں سا سرور
لذتِ درد کا معیار گھٹاتا کیوں ہے

آدمی، چاند ستاروں کا طلبگار سہی
اپنے ماضی سے مگر آنکھ چراتا کیوں ہے

سوچتا ہوں یہی راہی کہ مرا جذبہ شوق
دشمنِ فِکر سے بھی ہاتھ ملاتا کیوں ہے



اپنا دکھائی دے نہ پر ایسا دکھائی دے
ہر شخص تیرے شہر میں جلتا دکھائی دے

شاخ جنوں پہ پھول ہسکتا دکھائی دے
آنکھوں سے آج خون ٹپکتا دکھائی دے

جو رگِ زریلی وہ تیری رگِ زریلی
دیکھوں جدھر بھی ایک ہی چہرہ دکھائی دے

جھونکے خزاں کے تندہیں اے گردشِ حیات
مادوں کا اک چراغ بھی تھکتا دکھائی دے

ہو نوٹوں پہ آج گگردشِ دوراں ترے طفیل
جیسے تبسموں کا جنازہ دکھائی دے

پنیا جو چاہتا ہوں سکوں کیلئے تو دوست
ساغر سے آج درد چھلکتا دکھائی دے

اس دشتِ آرزو میں جدھر بھی نظر گئی
ہر شخص آج تشنہ و تنہا دکھائی دے

چہرے کھلی کتاب ہیں اور پڑھ رہا ہوں میں
راہی غمِ حیات کا نقشہ دکھائی دے





ادائیں ہیں بہت اُلفت میں، غم میں، پیار میں لوگو
ہزاروں ”ہات“ نکل آتے ہیں اک انکار میں لوگو

میں کانٹوں کو بھی سینے سے لگا کر جھوم اٹھتا ہوں
نظر آتی ہے جب بھی روح گل ہر خار میں لوگو

سکون گنج تنہائی میں حاصل ہو نہیں سکتی
مگر جو زندگی کی بات ہے سنسار میں لوگو!

وہی اب ہو رہا ہے اور نہ جانے کب تک ہو گا
جو دیکھا تھا تماشا مہر کے بازار میں لوگو

میں راہی اب بھی دل کی دھڑکنوں میں بند رہتا ہوں
مجھے کیوں قید کرتے ہو در و دیوار میں لوگو





دل منور ہے بات روشن ہے
شاہ راہ حیات روشن ہے

اک اُچھلتے ہوئے تبسم سے
دل کی یہ کائنات روشن ہے

اُس کی ہر برہمی ہے تاریکی
اُس کا ہر التفات روشن ہے

کچھ ستارے ہیں آج پلکوں پر
یوں مرے غم کی رات روشن ہے

اتنے تاریک حادثوں میں نعيم
دل کی ہر واردات روشن ہے



خود اپنے ماضی کی تاریخ ہی کو دُہراؤ
نئی سحر کیلئے پچانسویں پہ چڑھ جاؤ

ہر ایک دل میں جلاؤ، مستہ توں کے چراغ
غموں سے ہاتھ ملاؤ، جنوں کو اپناؤ

ضرورت سے کہ اب اس دور کے آندھیرے میں
جو ہو سکے تو ارادوں کی برق چمکاؤ

حقیقتوں سے یلو زندگی کی راہوں میں
توہمات کی اونچی فصیل کو ڈھاؤ

کبھی تو غور کرو، خود سے دُور ہو کتنے !
کبھی تو سوچو، خود اپنے قریب تو آؤ !

بنامِ عشق و محبت یہ بات یاد رہے
مسائلِ غم، ہستی کے زلف تسلیم کرو

وہ جامِ تشنگی شوقِ جس سے بجھتی ہے
وہ جامِ سانسِ زمانے میں آج پھلکاؤ

اب اپنے فن کو بناؤ حیات کا حاصل
جہاں بھی جاؤ تو راہی دلوں کو گنماؤ





پھر اُکھرنے لگیں غم کی پرچھائیاں
پھر سے لینے لگا درد انگڑائیاں

چاندنی رات اور میری تنہائیاں
درد نے مول لیں مفت رسوائیاں

ہزم سونی ہے، افسردہ سے زندگی
وہ جو آئیں تو ہوں جلوہ آرائیاں

مست آنکھوں کے چھلکے ہوئے جام میں
گھول دیکھتے تبسم کی رعنائیاں

لذتِ درد میں کچھ اضافہ ہوا
دل میں بجنے لگیں غم کی شہنائیاں

شام، گیسو میں منہ اپنا ڈھانکے ہوئے
صبح کی ترے عارض پہ رہنائیاں!

کون سمجھے کہ غم کی حقیقت ہے کیا!
کون جلنے ہیں کیا غم کی گہرائیاں!!

فکر کے راستے اور روشن ہوئے
مجھ کو راہی ملیں جب سے تنہائیاں



درد اور غم کی ایک صورت ہے
 ”زندگی کتنی خوب صورت ہے“ !!

زخمی ہے ، درد ہے ، جراحت ہے
 زندگی پھر بھی اک حقیقت ہے

کہیں طلست کدہ ہے شکلِ مہیات !
 اور کہیں آفتابِ صُورت ہے !!

لاشِ اپنی اٹھائے پھرتا ہوں
 نہ بھی جینے کی ایک صورت ہے

ساری خوشیاں بشارِ کردوں گا
تیرے غم کی مجھے ضرورت ہے

آپ کے کاسے تختیل میں
صرف کینہ ہے، اور کدورت ہے

جام ہے، چاندنی ہے، موسمِ گل
اور اب آپ کی ضرورت ہے

خود ہی دیکھینگے آج ہم راہی
اپنے زخموں کی جو مہورت ہے



”ایک شعر“

خالی تختیلات کا کاسہ لئے ملے
بھٹکی ہوئی حیات کے درپوزہ گر مجھے



ہے وقت کے نقیبوں کا چرچا گلِ گل
جیسے خلوص و پیار کا سایہ گلِ گل

ہر شخص کہہ رہا تھا کہ یہ میرا درد ہے
وہ کیا پیام تھا کہ جو پہنچا گلِ گل!

ہنگامہ حیات میرا حوصلہ تو دیکھ
دیکھا ہے آرزو کا جنازہ گلِ گل

کیا گردشِ حیات کا مجھ پر کرم نہ تھا
تیری طلب نے کھینچ کے لایا گلِ گل

پر تو کہیں ملا، کہیں نقشِ قدم ملے،
دیکھا مری نگاہ نے کیا کیا گلی گلی

گھٹتا نہیں ہے، خونِ تمنا کا فاصلہ
شہروں سے لے کے کوئچہ بہ کوئچہ گلی گلی

خوشبو و وفا کی پھیل گئی کائنات میں
تیرا خیال آج جو مہکا گلی گلی

راہی بنامِ ہوش و خرد ہو رہا ہے اب
رُسوائی جنوں کا تماشا گلی گلی



ظلمتِ عہد میں اک ایسی ضیاء ٹھہری ہے
اب تیری یاد ہی جینے کی ادا ٹھہری ہے

زندگی، پیار کا، جذبات کا تحفہ ہے مگر
زندگی، میرے لئے ایک سنا ٹھہری ہے!

کس کے ہاتھوں میں ہے تنظیمِ زمانہ کی غماز
شہر میں کب سے یہ مسموم فضا ٹھہری ہے

اب کوئی زخم مہکتا ہے، نہ شعلوں میں لپک
اب تیری یاد بھی کیا فحج سے خفا ٹھہری ہے

آرزوؤں کی یہاں بھٹی رنگی ہے دراہی
دیرِ دل پر کسی دستک کی صفا ٹھہری ہے



جنوں کی آنکھ سے چھلکا ہوا شباب ہوگا
ترا بدن بھی تو مہکا ہوا گلاب ہوگا

ترے خیال کی بارش جہاں کہیں ہوگی
وہاں سُلگتا ہوا ایک آفتاب ہوگا

مری حیات سے جو دور دور چلتی ہو
مرا وجود ہی شاید کوئی سراب ہوگا

جو بڑھ سکو تو بہت ہیں دلوں کی تحریروں
مجھے یقین ہے کہ ہر چہرہ اک کتاب ہوگیا

ہماری عرضِ تمتا یہ، آرزوؤں پر
جو مسکراؤ کبھی تو یہی جواب ہوگا

تمام زیست کی رعنائیاں ہیں اسکو نصیب
تمہارے درد کا مارا کہیں خراب ہوگا !!

تمہاری زلف کے پرچم کی چھاؤں مل جائے
تو میری زیست کا مقصد ہی انقلاب ہوگا

کسے خبر تھی کہ رآہی حیات کا جادہ
حقیقتوں کے ببارے میں توئی خواب ہوگا

✱
”ایک شعر“

کھیا کیا دکھائے، دیکھئے منظر یہ زندگی
تقسیم کر رہا ہوں میں گھر گھر یہ زندگی



زندگی صرف پیار مانگے سے
اور بے اختیار مانگے سے

تیرا وعدہ بھی کس قدر ہے حسین
اک حسین انتظار مانگے سے

اب کے بھی دیکھنا یہ موسم گل
دامنِ تار تار مانگے سے

جانتا ہوں میں کیلئے حسن فریب
لذتِ اعتبار مانگے سے

ہوں تو بے تابیاں، مقدر نے
وہ دل بے قرار مانگے ہے

تیری چاہت، تری نگاہِ کرم
دل دیوانہ وار مانگے ہے

تیری آنکھوں کی مستیاں اکثر
راہی، بارہ خوار مانگے ہے



جب بھی نظریں ملیں، برق لہرائی، جام پر جام چلتا رات بھر
لف مہکی، مرذوقِ تشنہ لبی، راہ اپنی — بدلتا رات بھر

کے تصور لئے، ایک غمِ حسین میرے سینے میں پلتا رات بھر
ترا دلکش بستمِ بنامِ جنوں، دل کی نس نس میں ڈھلتا رات بھر

عظمتِ غم سے جب ہاتھ ملتے رہے، حوصلے پھول کی طرح کھلتے رہے
علمتیں کتنی سجدوں میں آئے لگیں، غم سورج اگلتا رات بھر

سُکرا سٹ، شراروں کی صورتِ ری، درد کی آگ میں اشک شعلے بنے
میر از خیمِ جگر، میر اسوزِ دروں شمع کی طرح چلتا رات بھر

دن اجالوں کے تحفوں پر تھا مطمئن، آرزوؤں کی سانسیں ہکتی رہیں
ظلمتوں کو دیا ہے نئی روشنی، ذہن جب بھی پگھلتا رہا رات بھر

آپ کیا آگئے، زندگی مل گئی، زندگی کو اُسیدوں کا دامن ملا
دل سنبھالے، سنبھلتا نہیں تھا مگر آج وہ بھی سنبھلتا رہا رات بھر

کس کی زلفوں میں دل کو پناہیں ملیں، مجھ کو آہی ملیں ایسی ملیں
صورتِ درد یہ بھی ہوا دوستو! ایک جذبہ چلتا رہا رات بھر!



ان سے قول و قرار ہوتے رہے
دل پہ صدے ہزار ہوتے رہے

اپنے وعدہ کا پاس تھا، ان کو
وصل میں شرمسار ہوتے رہے

برق کیوں آشیاں پہ گرتی رہی
حملے کیوں بار بار ہوتے رہے

تم اُدھر، میں اُدھر تڑپتا ہوں
ایسے لیل و نہار ہوتے رہے

یاد میں کس کی کھو گئی راہی
رات دن سو گوار ہوتے رہے



جو رات کی تاریک فسیلوں سے چلا ہے
کیوں دن کے اُجالوں میں کھڑا کانپ رہا ہے؟

یہ میرا مقدر تھا، اسے میں نے پایا ہے
جس ساغرِ زندگی پہ مرا نام لکھا ہے

کس کس سے کہوں آج کی اُفتاد کا قصہ
حالات نے دل میں کوئی نشتر سا رکھا ہے

محسوس یہ ہوتا ہے وجودِ غم، ہستی
حالات کی اس دھوپ میں جلتی سی چتا ہے

ہر رات کے آنچل میں شرارے ہی بھرے ہیں
شاید یہ مرے جرمِ محبت کی سزا ہے!!

تاریکیِ اوبام میں یہ پیار کا سورج
جینے کی علامت ہے، وفاؤں کی ضیاء ہے

سائے کی طرف دوڑنے والوں سے یہ لو چھو
سائے پہ کہیں زیست کا احساس ہوا ہے!

بے نام سی لذت میں بہت دیر سے گم ہوں
کیا جانئے، کیا ڈوبتی آنکھوں نے کہا ہے

کچھ اشک ملے، درد ملے، طغز ملے ہیں
راہی مجھے جینے کا یہ انعام ملا ہے



وہمہ حیات بن گیا اک حرف آرزو
حب بھی تبسموں سے ہوئی میری گفتگو

آیا مرے قریب کوئی چاند سا بدن
آئینہ خیال ہوا آج روبرو

دیکھا مے زندگی کو جو زخموں کے روپ میں
تاریخ کائنات ہوئی ہے ہولہولہ۔

اک درد کی تلاش ہے کیوں یہ خبر نہیں
ہے زندگی کو آج بھی بے نام جستجو

تم کیا میری نگاہ سے دل میں اُتر گئے
سارا وجود ہو گیا تقسیم کو بہ کو!!

تیری نگاہِ ناز سے کچھ مانگتا ہوں میں
بھرنے کو کائنات میں کچھ اور رنگ و بو

راہی ہمارا دردِ دینا، دردِ کائنات
ہم سے وفا کی آج بھی قائم ہے آبرو





کچھ اپنی میکشی ہوتی، کچھ افسانے ہوتے ہوتے
بہر صورت گزر جاتی جو دیوانے ہوئے ہوتے

نہ ہوتی مگر میسر درد کی یہ لذت پیہم !
ہم اپنے حال سے خود آپ بیگانے ہوئے ہوتے

ہماری یادہ نوشی کی غنایت ہی تو ہے ورنہ
نہ پیمانے بنے ہوتے نہ میخانے ہوئے ہوتے

تیری نازک خرامی سے بہا رہیں جاگ اٹھتی ہیں
یہی آباد کلشن کتب کے دیوانے ہوئے ہوتے !

خدا شاید ہے ہم اس دور میں بے موت مر جاتے
ذرا سا بھی اگر اپنے کو پہچانے ہوئے ہوتے

مزاجِ تشنگی کچھ اور بھی شاید نکھر آتا
تری آنکھوں کی کیفیت اگر جانے ہوئے ہوتے

مالِ زندگی راہی نہ جانے اور کیا ہوتا
حقیقت کو حقیقت ہم اگر جانے ہوئے ہوتے



(ہندی طرز کی غزل)

میں تو اپنا درد چھپا کر تجھ سے ملنے آیا تھا
تشنہ لبی نے بیٹھے بیٹھے پھر مجھ کو اُکسایا تھا

کون کسی کا ہوتا ہے، چاہت کیسی ہوتی ہے
تجھ سے مل کر اب یہ جانا، تجھ سے بلنا دھوکہ تھا!

کتوں نے الزام تراشی، کتنوں نے دیوانہ کہا
پیار تو میرا اپنا خدا تھا، کیسے پھر جھٹلاتا تھا

رُسوائی کی بونہ پھیلے شہر شہر جنگل جنگل
اگر وحشت طرہ حاتم تھی، دل تو ہی کچھ کہتا تھا

وحشت بڑھتی جاتی تھی دل بھی بھجتا جاتا تھا
تم تو میرے ساتھ نہ تھے رات میں تنہا تنہا تھا

آشاکے دیوار اکٹھا کر اپنے خدا کو سونپ دیا
تیرے آنکھن پیار کی خاطر برسوں سے جو بیٹھا تھا

پینوں کی نگرہ سے آکر اکثر میں نے سوچا ہے
کتنی اچھی دنیا تھی وہ، کتنا مسندِ سپنا تھا

کس کو اپنا درد سناتا، کس کو اتنی فرصت تھی
سب کھیلے تھے پیار کی باتیں، میرا تو افسانہ تھا

شہر میں تیرے ڈاڑھی میں نے کیا کیا پسینے دیکھے تھے
آنکھ کھل تو دیکھا میں نے اپنا تھا نہ پرایا تھا





تمہارے پیار کا سورج جہاں نکلتا ہے
نئی حیات نئے انقلاب پلتا ہے

وہاں وہاں مری دیوانگی نکھرتی ہے
جہاں جہاں پہ خرد کا لاؤ جلتا ہے

نگاہِ ناز سے پلتا ہے جب پیلہ حیات
میرا وجود ہر اک گام پر سنبھلتا ہے

بڑی خوشی سے اُسے ہنس کے تھیل لیتا ہوں
اوائے وقت کا جب کوئی وار چلتا ہے

کہیں خیال کا پیکر، کہیں نظر کی ضیا
خزانِ وقت بنا کون کس میں دھلتا ہے !!

یہ تشنگی بھی عجب ہے کہ کچھ نہیں پاتی
نظر نظر میں کتنی بار دور چلتا ہے

سکوں کا نام اجل ہے یہ بات یاد رہے
جو آپ بدلیں تو پھر وقت بھی بدلتا ہے

حیات نو کی علامت میں غم مگر یہ کیا؟
ہمارا ذکر بھی ذہنوں میں کھلتا ہے !!

ہماری فکر میں راہی ہیں پیار کے چشمے
ہمارے غم سے لاوا کہیں ابلتا ہے



(ایک شعر)

شرط ہے ذوق جستجو ہمدم
بحر ہستی کا بھی کنارہ ہے



(ہندی طرز کی غزل)

یوں بھی گوری میں نے تجھ کو من کی بات بتائی تھی
یاد ہے مجھ کو وہ منظر بھی آنکھ تیری کھرائی تھی

پل پل میں نے چاہا گوری، پل پل تجھ کو پیار کیا
پل پل میرے ساتھ ہی رہ کر تو مجھ کو ترپائی تھی

جنم جنم کا میں دیوانہ، میرا اس کا رشتہ کیا
مجھ کو منانے جانے کیونکر دور تلک وہ آئی تھی

اُجلا مکھڑا، کوئل باہنیں، گدڑ بدن کی ٹھنڈی آگ
 جذبوں میں ڈوبی ایک حوالہ ساتھ وہ کیا کیا لائی تھی

رات جہاں پہلو میں میرے گیت وفا کے گاتی تھی
 تجھ بن، میں تو مست گن تھا ساتھ مر گتہائی تھی

راہی تو بھی کتنا دیوانہ! پریم کی مالا جپتا ہے
 جس کی خاطر روپ لیا وہ اپنی تھی نہ پرانی تھی

==

ایک شعر

زُلف نے جب مہکایا سیر
 جھوم کے آیا ہے سلاون



ہجبر کے لمحے بار گزرنے ہیں
تیر غمِ دل کے پار گزرنے ہیں

کیا خزاں، کیا بہار، فرقت میں
سب کے سب سو گوار گزرنے ہیں

آتشِ شوق اور بھڑکانے
کمر کے سولہ سنگسار گزرتے ہیں

جب وہ گزرنے قریب سے میرے
دل پہ صدمے ہزار گزرنے ہیں

سُن کے مُشرکہ بہار کا راہی
روز و شب اشکبار گزرنے ہیں



ہر زخم تیرگی سے نشانِ سحر مجھے
لوٹا گئے ہیں آپ تو میری نظر مجھے

احساس، فکر، عزمِ حواں، دردِ کائنات
بخشنے حیاتِ شوق نے کچھ جان کر مجھے

ہلتے رہے بنامِ جنوں اور بنامِ وقت
کچھ تجرباتِ زیست کی ہر موڑ پر مجھے

جب تک تری نگاہ شریکِ سفر رہی
یہ زندگی تھی نکبتِ گل کا سفر مجھے

خالی تخیلات کا کاسہ لئے ملے
بھٹکی ہوئی حیات کے درِ یوزہ گر مجھے

کچھ حادثے حیات کے پھر یاد آ گئے
کچھ لوگ مل گئے تھے سرِ رگِ گذر مجھے

کیا وقت آ گیا ہے کہ اے شہرِ آرزو
اب اجنبی سمجھتے ہیں یہ بامِ وِ دَرِ مجھے

روشن ہوئے ہیں جس سے ہرے فن کے راستے
راہی بہت عزیز ہے زخمِ ہنر مجھے



ان کی شہرت محفل محفل
اپنی وحشت منزل منزل

میری غزل کا حسن نہ پوچھو
سامنے ہے اک ماہِ کامل

کو دڑا طوفان میں کوئی
کوئی پکارا ساحلِ ساحل

ہم نہیں بھٹکے آخر دم تک
رہے بھٹکا، بھٹکی منزل

یاد کا ان کی صدقہ راہی
راہِ نما ہے ماہِ کامل



اب درد کے تاریک اندھیرے کو مٹاؤ
احساس کی جلتی ہوئی قندیل تو لاؤ

مانا کہ کھٹن ہیں غمِ ایام کی راہیں
کچھ دیر سہی، دور سہی ساتھ تو آؤ !

اک درد کی لذت کو جنم دیتی ہیں راتیں
اُس درد کی لذت کا نہ معیار گھٹاؤ

مجھ کو کہیں گرتی ہوئی دیوار سمجھ کر
میرے دلِ برباد کو اس طرح نہ ڈھاؤ

اک دردِ مسلسل ہوں زمانہ ہوں جنوں ہوں
 اے چارہ گرو آؤ مگر سوچ کے آؤ!!

جو اپنی زندگی کو بھی اپنا نہ کہہ سکا
 اس پر تو یہ جینے کا نہ الزام لگاؤ

یوں تو غمِ ایام کے افسانے بہت ہیں
 ایسے میں کوئی گیت، کوئی نظم سناؤ

و اُھی مرے اس شہر کے آدابِ عجب ہیں
 ارمالوں کو، اُمیدوں کو سولی پہ چڑھاؤ



جینے کا لطف، نشہ ہستی اتر گیا
خود میرا دور، مجھ پہ کئی وار کر گیا

یہ کس کی وحشتوں کے ہیں سگے جگہ جگہ !
یہ کون پھر جنوں کی حدوں سے گذر گیا !

اک آرزو تھی، زیست کی راہوں میں کھو گئی
اک خواب تھا جو ذہن کی وادی میں مر گیا

دراصل زندگی کی حقیقت اُسے ملی
دیوانگی کے نام پہ جو در بہ در گیا

لب وا ہوئے کلی کے تو خوشبو نکل پڑی
زلفیں بکھر گئیں کہ فسانہ بکھر گیا

تم آئے تو حیات کو رعنائیاں ملیں
تم کیا سنور گئے کہ زمانہ سنور گیا

جی تو رہے ہیں جینے کی تمہت لئے ہوئے
راہی حیاتِ شوق کا منشا رکھ رہا گیا

”دو شعر“

ایک مدت ہوئی تجھ کو دیکھے، ایک عرصہ ہوا اٹھلائے
زندگی کے چین میں نغمِ آب، ایک گل بھی تو تازہ نہیں ہے

اک حقیقت ہے اپنی محبت، پیارا اپنے لئے تو خدا ہے
حسرتیں کہہ رہی ہیں ہماری، اپنے چہرے پر غارہ نہیں ہے



اے حُسن تو ہی زخمِ جگر میرے مٹانا
پیمانہٴ دل شوق سے لبریز بنانا

رکھی ہے جبین جس نے ترے نقشِ قدم پر
ممکن ہے ملے اس کو ہی جنت میں ٹھکانا

ساقی تری آنکھوں سے جنہیں جامِ ملا ہے
مشکل ہے بہت اُن کا کبھی ہوش میں آنا

ہنس ہنس کے گرتے ہی چلے بجلیاں دل پر
بیدل ہے میرا اس کو نصیحت نہ بنانا

سب دردِ محبت میں تیرا لٹ گیا راہی
باقی غمِ فرقت ہے نہ تو اس کو لٹانا



ہاتھوں میں لے کے چلتے ہیں پتھر تو دیکھئے
بربادی حیات کا منظر تو دیکھئے

اب کے فساد میں تو یہ فٹ پاتھ بن گیا
اے رہبرِ ان قوم مرا گھر تو دیکھئے!

مہر شہر کا سکون ہے مقتل بنا ہوا
اب قاتلانِ وقت کے لشکر تو دیکھئے!

احبابِ خوش ہیں دیکھ کے چہرے کی تازگی
ہیں کتنے زخم کچھ میرے اندر تو دیکھئے!

اب وقت ہی بتائیگا، کیا کیا ہے وقت میں
ہر ہاتھ میں چھپا ہوا، غنچہ تو دیکھئے!

تاریخ کائنات ہے سینوں میں جنکے بند
پھیلے ہوئے یہ دشت و سمندر تو دیکھئے

دل کے لہو سے جس کو تراشا ہے غم بھر
میرے خیال و خواب کا پیکر تو دیکھئے

تخلیق کر کے اپنے خیالوں کی جنس
کچھ خواب زندگانی کے شب بھر تو دیکھئے!!

کس دامنِ حسین میں یہ ڈوب جائینگے
اب آنسوؤں کا مسیرے مقدر تو دیکھئے!!

راہی یہ جانتا ہے کہ چلتے ہیں کس طرف
اس میکدے کی شام کے ساغر تو دیکھئے





دن میں بھی نظر آتے ہیں کچھ رات کے چہرے
ملتے ہیں نقابوں میں فسادات کے چہرے

لہجے کو مرے مہن کے پشیمان ہوئے ہیں
افسردہ نظر آئے روایات کے چہرے

راتوں کی سیاہی ہے تری آنکھ کا کاجل
زلفوں کی خم و پیچ میں برسات کے چہرے

دیکھو تو کبھی آئینہ وقت اٹھ کر
ہر زخم نیا رکھتے ہیں حالات کے چہرے

خود مجھ سے مرا کوئی تعارف نہیں اب تک
خانوں میں تقسیم ہیں مری ذات کے چہرے ۱

الفاظ پہ قابو ہو تو، تخیل میں ندرت
باتوں میں نکلی آتے ہیں ہر بات کے چہرے

ہم کو جو ملا ہے بھی تو کیا عہد ملا ہے
ہر وقت بدلتے ہیں ملاقات کے چہرے

راہی نظر آئی مجھے دُنیا بھی معمّہ
تھے بند جوابوں میں سوالات کے چہرے





اب تو میری حیات کے عنوان ہیں یہی
گیتوں کا بانگین، کہیں زخموں کی چاندنی !

تاریکی حیات میں اکشر یہی۔ ہوا
ملتی رہی ہے مجھ کو مرے غم سے روشنی

زخموں کی آنچ میں، غم دوراں کے باوجود
ترپا گئی ہے یاد بہاراں کبھی کبھی

لوٹا دیا گیا تھا زلیخا کو پھر شباب
سایہ یہی ہے معجزہ عشق و عاشقی

اک فلسفی کی طرح غموں کے ہجوم میں
میری حیات مجھ پہ بہت سوچتی رہی !

خوش ہوں کہ ہر قدم پر خرد مات کھا گئی
بخشی ہے آج مجھ کو جنوں نے جو آگہی

جلوؤں کا کارواں ہے رواں آبِ قناب سے
بجھتی نہی ہے پھر بھی نگاہوں کی تشنگی

انسان آج پیٹا ہے انسان کا لہو
کیا زندگی سے چھین گئے آدابِ زندگی !!

راہی بھلا امیدِ وفا کس سے کیجئے
کیا دے سکے گی مجھ کو یہ پتھر کی مورتی !!





ہوئی رکتی دنیا، ادم سے ادم
نہ اشکوں کا میرے بلا ہمسفر

محبت کی گردش میں شام و سحر
میرے ساتھ ذکر اس کا ہے دربار

ازل میں نہ ہوتی جو ہم سے خطا
نہ ہوتی یہ دنیا نہ یہ چشم تر

جو کل تک نگاہیں لڑاتے رہے
وہی آج بیٹھے ہیں منہ پھیر کر

میرے زخمِ دل کیوں نہ ہوتے ہرے
تمہاری نظر ہے کہ تیرِ نظر

میسرِ اسی کو ہے لطفِ حیات
جو مارا ہوا عشق کا ہو بشر

میرے دل نے راہی دغا دی مجھ
کیا اس کی نظروں نے ایسا اثر





”انساں سے پیار ہے غم انساں سے پیار ہے“
ہم کو تو آج تلخی دوراں سے پیار ہے

عشرت ہو، غم ہو، درد ہو یا اضطراب ہو
مجھ کو تو زندگی کے ہر عنوان سے پیار ہے

صدیوں کی تلخیاں ہوں کہ صدیوں کے فاصلے
انساں کو پھر بھی آج کے انساں سے پیار ہے !!

اک شعلہ نوا سے مری کیا آنکھ لڑ گئی
جب سے مجھے شہزگاراں سے پیار ہے

راتوں کی نیند میری چرا لے گیا کوئی
میں چپ ہوں کہ وعدہ و پیمان سے پیار ہے

جب بڑھ گیا جنوں تو محسوس یہ ہوا
قسمت کو مری چاک گریباں سے پیار ہے

شہر و فسا میں آج وہ دیوانہ ہو گیا
اسکو بھی جیسے زلف پریشاں سے پیار ہے !!

شعلہ بدنی میں ہیں حجابات کے پردے
اتنے دوست مجھ کو شہر نکالاں سے پیار ہے

یہ جان کر بھی وعدہ حُسنِ فریب ہے
پھر بھی کسی کے وعدہ و پیمان سے پیار ہے ا

بکھرے ہوئے فلک پہ ہیں آوارگی لئے
کیا بادلوں کو زلف پریشاں سے پیار ہے

راہی غمِ حیات کی ان اُلجھنوں کے ساتھ
دشتِ جنوں سے چاکِ گریباں سے پیار ہے



اصنام محبت کے سرشام تراشو
پینے کے لئے کچھ نوئے جام تراشو

مخلص تو زمانے میں پرانا سا نام ہے
اخلاص و محبت کے نئے نام تراشو

محبت کا، وفاؤں کا، گیتوں کا مسلسل
ہمت ہو اگر تم میں تو پیغام تراشو!

مغرور ہے، مسرور ہے ہر نام پہ اپنے
عورت کو الہی مہے بے نام تراشو

اے رہبرانِ وقت کچھ تو کرو رسم
ہم پر تو نہ جیسے کے الزام تراشو

راہی زمانہ ساز سے کرتا ہوں یہ دُعا،
انسانیت کے آج کئی جام تراشو



ظلم و جفا کا دور، صلیبوں کا وقت تھا!
شہر و فامیں، میں ہی فقط بُت پرست تھا!!

یہ مرحلہ بھی زیست میں کس درجہ سخت تھا
پھولوں کی بیڑیاں تھیں تو کانٹوں کا تخت تھا!!

یہ فاصلے بھی وقت کی رفتار بن گئے!
جیسے کہ میرا دل بھی کوئی سنگِ سخت تھا!!

یوں زندگی نے مجھ کو بھی کیا کیا نہیں دیا!
پتھر تھے طنز کے، کبھی ہجہ کمرخت تھا!!

شعلے تھے پیار کے نہ وفاؤں کی آگ تھی
تنہائیاں تھیں اور دلِ لخت لخت تھا

تم ایسے زندگی سے مری روٹ کر گسیں
جیسے میرا وجود ہی سوکھا درخت تھا !!

راہی عجب حال سے گزری سے زندگی
میری حیاتِ شوق کا اندازِ سخت تھا



مہر و وفا، خلوص کے اظہار کی کتاب
تاریخ بن گمنا ہے مرے پیار کی کتاب

ہر رخ سے دیکھتا ہوں میں لدار کی کتاب
انکار میں دبی ہوئی افسار کی کتاب

پڑھنی اگر ہو، اس کو پڑھو، غور سے پڑھو
بس زندگی کا نام ہے معیار کی کتاب

حالات نے دیئے ہیں وہ ابوابِ خم کے
کیا پڑھ سکو نگاہیں ابے رخسار کی کتاب

چہرے ہزار، لاکھ نقابیں ہیں ان دنوں
ہے زندگی کہاں، ترے گمراہ کی کتاب !!

کچھ اپنے خط و خاں پہ بھی ڈال لو نظر
پڑھنی اگر ہو آئینہ یار کی کتاب

جیسے تبسموں کے جنازے ہوں سامنے
چہرے ہیں یا کھلی ہوئی افکار کی کتاب

اک اک ورق اُلٹا ہوں کس احتیاط سے
کیا کیا ہے ترے جسم کے اسرار کی کتاب

ہر شخص آج قید ہے اپنے وجود میں
پڑھتا ہے کون اپنے دل زار کی کتاب

راہی یہ کشمکش بھی عجب دلفریب ہے
ہے انکے سامنے میرے اشعار کی کتاب



نظروں سے ایسے گزارے ہیں جیسے ہوں اشتہار
غم ہائے روزگار کے چہرے کئی لہزار

صدیاں ملیں تو لمحوں میں سمٹی ہوئی ملیں !
مجبوریوں میں قید رہا جیسے اختیار !!

ماضی کی وہ کتاب ہے مجھ کو بہت عزیز
جس کے ورق ورق پہ ابھرتا ہے تیرا پیار

محرومیاں نصیب کی صورت میں ڈھل گئیں
باہوں کے تیری مل نہ سکے زندگی کو ہار

میرا وجود جیسے غموں کی بہار تھا
دامنِ حیات کا رہا ہر وقت تار تار

احساس کی زبان میں لگت سی آگئی
اظہار بن گیا ہے خموشی کا اک مزار

دل کو تسلیوں نے سہارے سے دے دیئے
کڑا ہی حیات شوق رہی صرف انتظار



”ایک شعر“

خود مجھ سے میرا کوئی تعارف نہیں اب تک
خانوں میں ہیں تقسیم مری ذات کے چہرے



تمہاری یاد کو تازہ گلاب دینا ہے
غم حیات کو پھر سے شباب دینا ہے!

شبِ فراق کی یادوں سے کانپ اٹھتا ہوں!
وفا کو، درد کو، کیا کیا جواب دینا ہے!!

ہمارے دور کی تاریخ کھ رہی ہے یہی
ہمارے ماتھے پہ کیا کیا سراب دینا ہے!!

یہ روزِ روز کی سنگین وارداتوں میں
ہمارے ذہنوں کو یہ کیسا عذاب دینا ہے!!

ہمارے پیار کے زخموں کی داستاں لکھ کر
عجیب بات ہے، ہم کو کتاب دینا ہے!!

نیکل کے پاس کی تاریکیوں سے اب راہی
نئی سحر کو، نئے آفتاب دینا ہے



اشکوں کی بوند بوند سے سورج اُگاتے
وہ بے بھی زندگی کو بہت آزمائے دوست

صدیوں کی تشنگی کا یہ حاصل بنی رہی
کس طرح زندگی کو کوئی بھول جائے دوست

بیابانیوں کے ساتھ عجب کشمکش میں ہوں
اپناؤں کس کو کون ہیں اپنے پراتے دوست

آدابِ حسن و عشق میں اپنی جگہ اٹل
جینے کا ڈھنگ، غم کا سلیقہ تو آنے دوست

عمرِ مر سے ایک تر شا ہوا بُت ہے اور کیا
پتھر کے آگے نغمہ کوئی کیا سنائے دوست

راہی ہیں کب سے دامنِ صبر و وفا لیے
یوں بھی قریب کتنی بہاروں کے کھائے دوست



ہوں راہِ آرزو پہ قدم دیکھ بھال کر
باقی حیات جو بھی ہے رکھنا سنبھال کر

میں شاعر و قافیوں، بہاروں کی ہوں نقیب
تو دیکھ لے مجھے، مرے فن سے نکال کر

راہ جنوں تو سہل نہیں، پھر بھی مرے دوست
مجھ کو ہٹا کے سوچ، کچھ اپنا خیال کر

ممکن ہے زندگی سے کوئی زندگی ملے
کہنا اگر ہو، سوچ سمجھ کر سوال کر

میں کیا بتاؤں لذتِ دردِ فراقِ یار
گزر رہے آج بھی کوئی وعدہ گویاں کر

دل جائیگی غموں میں نئی اور لذتیں
چہرے سے پہلے صاف تو گردِ ملاں نکر

ترک تعلقات کوئی کھیل تو نہیں
خود کو ابھار، آتشِ فرقت میں ڈھال کر

چینیے کا فن ملا ہے تو پھر زندگی کو پس
راہی برت رہا ہوں، اسے پوس پال کر

●
(ایک شعر)

درد کی داستاں سے گزرے ہیں
مستیِ دو جہاں سے گزرے ہیں

نظمیہ



نعمت راہی

یادیں

”..... کے نام“

کوئی ماہِ کامل، سراپا نزاکت
 کبھی درسِ گاہ میں، کبھی رنگزار پر
 چلی جا رہی تھی، رنگا ہنس جھکا مے
 دل مضطرب سے میرے بے خبر تھی
 کئی سال پہلے، میری ہمسفر تھی!



جو لوٹا وطن کو، عجب کیفیت تھی
 مرے غمزدہ دل کو کچھ یاد آیا!
 کبھی اس نگر میں بھی کوئی بسا تھا
 کسی یاد نے مجھ کو اکشر لایا
 میری آہ بھی جب بڑی بے اثر تھی
 بہت دور مجھ سے میری ہمسفر تھی!



کئی سال بیتے ، اسی کشمکش میں
 بہاویں ، خزانیں گزرتی رہی ہیں
 شخصِ بُل بھی میرا پریشان ہے اب
 کہیں لٹ نہ جائے ، مرا آشیانہ
 چراغِ محبت کہیں بجھ نہ جائے
 یہ ممکن ہے شاید کوئی بھول جائے
 کوئی اجنبی تھا ، کوئی ہمسفر تھا !



تصور میں کٹنے لگا لمحہ لمحہ
 بگڑتی تھی راتِ دن میری حالت
 میرے دل سے مٹنے نہ پائی وہ صورت
 وہ مہوش ، وہ گلرخ ، وہ مرم کی صورت
 درِ دل پہ دیتی ہے پھر آج دستک
 وہی جو کہ پہلے میری ہمسفر تھی ؟



تیرے ہجر میں جینا دُشوار ہوگا
 تجھے یاد کرنا بھی بیکار ہوگا
 کہاں کہاں ہے ، بیتہ کچھ نہیں ہے
 مری زندگی کا بھی امکان نہیں ہے
 مری ہو کے مجھ سے بہت دور ہے تو
 یقیناً مری طرح مجور ہے تو
 مے پردہ دل سے مجھ کو صدا دے
 بیتہ کچھ تو راہی کو اپنا بتا جا



ترا درد ہی حاصل زندگی ہے
 تری یاد میرے لئے بندگی ہے

تخلیق :-



اب روایات کی بوسیدہ فسیلوں سے نکل آؤ بھی
 آو اب وقت کی رفتار کو ہمیز کر دیں
 نقشِ پا اپنے یہاں
 وقت کی مشعل بن جائیں
 وہ روایات

جنہیں صدیوں سے
 عشق کندھوں پہ اٹھاتے ہوئے پھرتا ہے ابھی
 اُن روایات سے، اک حُسنِ نیا، فکرِ نئی، راہِ نئی
 غمِ نیا، دردِ نیا، درد کے اندازِ نئے
 ساز و آہنگِ نیا، کیفِ نیا، نشہِ نیا
 یاس و آدابِ نئے
 آہِ کھے لہجے ہوں نئے
 آؤ تخلیقِ نخریں ۔

ہے گیسوؤں کی رات، تبسم کی چاندنی !!

کامرانی

اک تیرا پیار، تیری تمنا، ترا خیال
ہیں زندگی کے ساتھ بہاروں کے قافلے

دیکھا ہے کس نے پھر نگہ التفات سے
گھٹنے لگے ہیں اب، شبِ ہجرال کے فاصلے

جلوہ طرازیں ہیں تبسم کی آڑ سے
ہیں زندگی نواز خیالوں کے سلسلے

اب پھر حیات مائلِ حسنِ حیات ہے
خود بھول بن گئے مری راہوں کے مرحلے

اب گاہی ہے زلیست، محبت کی راگنی
ہے گیسوؤں کی رات، تبسم کی چاندنی

رعنائی حیات نکھرنے لگی نعیم
انوارِ عشق جیسے بکھرتے چلے گئے

سوزِ دروں کو ایک سلیقہ سا آگیا
آدابِ عشق اور سنورتے چلے گئے

ترتیب پارہی سے تمنا کی ہر خلش
اسے پیامِ دل سے گذرتے چلے گئے

نظرِیں ملیں تو پھر مرے اوراقِ زیست پر
ماضی کے کچھ نقوش ابھرتے چلے گئے

جب بھی چلی ہے باتِ دل پائمال کی
لے لے اور بڑھ گئی مرے حسنِ خیال کی

..... گلیوں میں لوٹا دے مجھے،

(بازگشت)

لڑکپن جب جوانی کی حسین سرحد میں آیا ہے
تو کتنے گل کھلایا ہے!

بہاریں ناچتی تھیں، زندگی کے رگڑے میں
میری ہر آرزو پھولوں کی صورت مسکراتی تھی
کہانی ایک نئی ترتیب پانے کے لئے جیسے
مچلتی ہو، تڑپتی ہو

مرتب ہو رہی تھی اک نئی تاریخ الفت کی
ہزاروں حال بنتی جا رہی تھیں میری اُمیدیں
نیچے نقشے ابھرتے تھے

تخیل آسمانوں کی بلندی چھو کے آتا تھا
مسین باہنوں کی جنت میں
میری دنیا سنورتی تھی

میرے ہر زخم کو، ہر درد کو
تشکین ملتی تھی

انہیں سرشار گلیوں میں ملیں گے نقشِ پا اپنے
ہماری داستانیں ہیں
ہمارے اپنے افسانے

جنہیں حالات کی گردش نے پارینہ بنا ڈالا
انہیں مانوس سی گلیوں میں

اب بھی دل دھڑکتے ہیں مجھے اے کاش !
کوئی پھر انہیں گلیوں میں لوٹا دے !!



فریب

فضاؤں میں سستی، بھری چاندنی میں
اٹھے جھوٹے، جھوٹے ہواؤں کے آنکیل

شبِ ہجر کی قید سے ہو کے حیراں
چلا تھا میں اپنے خیالوں میں کھویا

دیکھائی دیا اک سایہ سا مجھ کو
شبِ ملا میں تھا جو اس وقت رقصاں

جنون تجسس مرے دل میں ابھرا
لغائب میں سایہ کے میں چل پڑا تھا

مرے دل میں یہ آرزو گدگدائی
کہ جلدی سے پہنچوں میں نزدیک آسکے

قدم اٹھتے ہی فاصلہ بڑھ گیا تھا !!
مرا ہمسفر مجھ سے بھی دور تر بھٹا

بڑھی دل کی دھڑکن بڑھی بے قراری
اسی کشمکش میں جو پہنچا وہاں پر

نہ سایہ تھا کوئی، نہ تو ہمسفر تھا
خیالات ہی میں بھٹکتا رہا میں

فریبِ تصویر کے قربانِ رآہی
شبِ ماہ نے مجھ کو دھوکا دیا تھا !!



میرا وطن (ترانہ)

مرے وطن کی کھیتیاں
 حین حین بستیاں
 یہ سردیاں، یہ گرمیاں
 ٹپک رہی ہیں مستیاں

روشن، روشن، چمن چمن
 میرا وطن، میرا وطن، میرا وطن

یہ عصر نو کا پاسباں
 امن کی طرف ہے رواں
 تہشموں میں بجلیاں
 لئے سرورِ میکشاں

ہر اک ادا میں بانگین
 میرا وطن، میرا وطن، میرا وطن

عمل کی روشنی لئے
 بہارِ زندگی لئے
 لبوں پہ اک ہنسی لئے
 نویدِ آجھی لئے

قدم قدم پہ نغمہ زن
 میرا وطن مرا وطن، میرا وطن مرا وطن
 یہ مشکلیں تو کچھ نہیں
 ہے اپنے آپ پر یقین
 یہ آندھرا کی سرزمین
 جواں جواں، حسین حسین

خوشی خوشی ہیں مرد و زن
 میرا وطن مرا وطن، میرا وطن مرا وطن

ساجن تجھ بن نیند نہ آئے
گیت (طرز ہندی)

ساجن تجھ بن نیند نہ آئے
مورکھ من تو روتا جا مے

بیٹے دنوں کی یاد ستائے
جیسے کلیجہ منہ کو آئے
گروٹ گروٹ چین نہ پائے
کالی ریتا کائنات آئے

ساجن تجھ بن نیند نہ آئے
مورکھ من تو روتا جا مے

تم تو گئے ہو دیس پرانے
اگ پرہا کی من میں لگا مے

سکھیاں ہیں کہ طعنہ دیتیں
 صاحب تیرا تجھ کو بھلائے
 بیٹھ گیا ہے ، دیس پرانے
 میں تو اب بھی آشاؤں کے
 بیٹھی ہوں بس دیپ جلائے
 ہر آہٹ پر آس لگائے
 راہ تکوں میں نین بچھائے
 رات کٹے اور دن ڈھل جائے
 ابھی جاؤ ! صاحب میرے
 رات نین کی میت نہ جائے

صاحب تجھ میں نیند نہ آئے
 مور کھ من تو روزنا جائے

گیت

مرے محبوب چلو، چاند ستاروں میں چلو
نور و نکمت میں چلو اور بہاروں میں چلو

مستیاں لے کے ہواؤں میں مچل جائینگے
پیار کی آگ میں ہم دونوں پگھل جائینگے
پانی دنیا کی نگاہوں سے تو چھپ کر آؤ
صبح سے پہلے بہت دوزخ ل جائینگے

مرے محبوب چلو، چاند ستاروں میں چلو

تم نے سوچا ہی نہیں پیار کی تقدیر ہے کیا
تم نے سمجھا ہی نہیں پیار کی تعمیر ہے کیا
آج موسم ہے حسین اور حسین کر لیں گے
ابھی جاؤ کہ محبت کو یقین کر لیں گے
مرے محبوب چلو، چاند ستاروں میں چلو

آج سوچا ہے ، زمانے کو معطر کر دیں
 کالی راتوں کو اُجالوں کے سمندر بخشیں
 آرزوؤں کو ، اُمنگوں کو جگانے کے لئے
 نہیست کو پھر نئے انداز کے تیور بخشیں

•
 مِرے محبوب چلو، چاند ستاروں میں چلو

•
 اپنی اُلفت پہ کوئی حرف نہ آجائے کہیں
 اب تو آؤ کہ بنائیں گے نیا تاج محل
 دورِ دُنیا سے بہت آج نکل جائیں گے
 غم کی تاریک سی راہوں میں جلا کر مشعل

•
 مِرے محبوب چلو، چاند ستاروں میں چلو
 نور و نکہت ہیں چلو، اور بہاروں میں چلو





پرکار

خاموش دل میں حسرت و ارمان ہو گئے
 درد و الم جو سینے میں مہمان ہو گئے
 اس طرح میری زیست کے سامان ہو گئے
 یہ وقت کی روش تھی، تقاضہ تھا ساتھ

صورت پہ زندگی کے زمانے کی گرد ہے
 حالات اور وقت کا چہرہ بھی زرد ہے
 ہر درد آج عہد کا اپنا ہی درد ہے
 یہ وقت کی روش ہے، تقاضہ ہے ساتھ

ہونٹوں پہ زندگی کے بہاروں کا ہوسیم
 ذکرِ حبیب، ذکرِ محبت صبح و شام
 انسانیت کے درد سے پھلکے ہر ایک جام
 یہ وقت کا مزاج و تقاضہ ہے ساتھ

ضربِ صوت



کچھ درندہ صفت بھیڑیے
 اپنے ناپاک عزائم کو لے کر اُٹھے
 زندگی کے حسین شہر کو ڈھائینگے
 رہنمائی کا اوڑھے ہوئے اک لبادہ
 جیسے جمہوریت کو کچل دیں !
 قوم کے جسم پر کینسر کی طرح یہ اُبھرتے گئے
 پھر اک آواز اُٹھی
 ظلمتوں میں نئی نور کی اک کرن جگمگانے لگی
 جس کی طاقت کی کرنوں سے کینسر پھٹے
 اور جمہوریت کو صحت مل گئی
 ایسی آواز سارے جمہور نے
 اپنے سینے سے جس کو لگایا
 دیولوں، دیوتاؤں کے لب پر ہنسی آگئی

بیس نکتے فضاؤں میں لہرائے
 پیار کو، زیست کو اک اماں مل گئی
 کاروانِ جنوں پھر سے بڑھنے لگا
 مشعلیں جل اٹھیں
 راستے اپنی منزل پہ جانے لگے
 پھر سے جمہور کو زندگی مل گئی
 آٹھویں مل گئی ————— !



یادِ نذرِ (

ایک حسین لمحہ

کہ جس میں

قید ساری کائنات !

اور وہی لمحہ

کہ جس میں

درد ہے

درد و غم کی لذتیں ہیں

ڈھیر سا پیار بھی !!

”ہوں عجب کشمکش زیست کے دوا ہے پر“

(تذبذب)

تم کو کس طرح مخاطب میں کر دنگی راہی

آنکھ پر خم ہیں

قلم کانپ تے رہ جاتا ہے

لفظ ملتے نہیں

اظہار محبت کے لئے

کیا کہیں گی یہ زمانے کی نگاہیں آخر

ہوں عجب کشمکش زیست کے دورا ہے پر !!

بہادروں کی سرزمین (ترانہ)

میرا وطن، مرا وطن، میرا وطن، مرا وطن
 مرے وطن کا ہر مکین
 بہارا من کا امین
 بہادروں کی سرزمین
 بلند جس کا غم و فن
 میرا وطن مرا وطن --
 ہے اپنا آپ چارہ گر
 جلو میں جس کے ہے سحر
 غزل کا، گیت کا یہ گھر
 جنوں میں پیار میں مگن
 میرا وطن مرا وطن --

لڑائے سردی لئے

ادائے آگہی لئے

چلا ہے زندگی لئے

روشِ روشِ چمنِ چمن

میرا وطن میرا وطن ..

روایتوں کا دیس ہے

لطافتوں کا دیس ہے

نزاکتوں کا دیس ہے

سجی ہوئی سی اک دُہن

میرا وطن میرا وطن، میرا وطن

بھوک

گورے ، کالے ، سانولے سے
 گدرے گدرے ، کومل کومل
 پھول کی مانند
 کتنے بدن کھلتے رہتے ہیں !
 اور پھر مر جھاتے ہیں
 بھوک کی آگ کا جنگل اب تک
 جلتا ہے ، جلتا ہی رہے گا
 بھوک کی کیا اقسام گناؤں
 بھوک موس کی
 جنسی بھوک
 شہرت کی ، ناموس کی بھوک
 عہدوں کی ، یلغار کی بھوک

دولت مند
 دولت کے بھوکے
 ان کی بھوک نہیں مٹ سکتی !
 پیٹ کا بھوکا
 جب بھی تھا
 اور اب بھی ہے
 یہ بھی بھوک نہیں بجھ سکتی
 بھوک کا درماں کوئی نہیں ہے
 ۸

